عرفان احمد کی تصنیف پر تبصرہ

لیاقت علی (ایڈووکیٹ)

humshehri.com/DetailStory.aspx?ID=4006

downloaded on 9July, 2011

جماعت اسلامی کے بانی اور پہلے امیر مولانا ابوالاعلی مودوی تمام عمر نظری اور عملی طور پر سیکولر ازم اور جمہوری طرز سیاست کے مخالف رہے۔ان کے فہم اسلام کے مطابق جمہوریت ا و ر سیکولر ازم ‘حرام ’ کے زمرے میں آتے ہیں ۔1947 میں پاکستان نقل مکانی کرتے ہوئے انھوں نے بھارت میں رہ جانے والے ا پنے کارکنوں اور ہمدردوں کو تلقین کی تھی کہ وہ سیکولر جمہوری سیاست میں ہر گز حصہ نہ لیں کیونکہ ان کے نزدیک، ایسا کرنے سے جماعت اپنی علیحدہ نظریاتی شاخت اور جواز کھو بیٹھے گی ۔لیکن نظریہ مذہبی ہو یا سیاسی ،عملی زندگی کی تمام تر جہات اور پیچیدگیوں کا احاطہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ۔ کسی بھی نظریئے کی‘ پاکیزگی ’ اور ‘خالص پن ’ کوالفاظ کی حد تک تو محفو ظ رکھا جاسکتا ہے لیکن جوں ہی اس کے عملی اطلاق کا مرحلہ آتا ہے تو اس میں ترمیم و اضافہ کئے بغیر بات نہیں بنتی ۔ کتاب اور الفاظ میں بیان ہونے والا ‘خالص ’ نظریہ عملی زندگی کے ٹھوس حقائق کے سامنے کپکپانے لگتا ہے اور اگر کوئی شخص یا جماعت اپنے گرد وپیش کے معروضی حالات سے صرف نظر کرتے ہوئے محض‘ نظریہ ’ کے بل پر آگے بڑھنا چاہے تو وہ ایسے تضادات اور مسائل کا شکار ہو جاتی ہے جن کا حل ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوتا ہے ۔

عرفان احمد نے اپنی کتاب“بھارت میں اسلام ازم اور جمہوریت ” میں مولانا مودودی کی سیکولر ازم اور جمہوریت مخالف فکر کا مطالعہ جماعت اسلامی ہند کے نظریات اور سیاسی پالیسوں میں عہد بہ عہد ہونے والی تبدیلیوں کے پس منظر میں کیا ہے ۔ تقسیم برصغیر کے بعد عملی سیاسی اور سماجی تقاضوں کے پیش نظر جماعت اسلامی ہند کے پروگرام اور حکمت عملی میں جو فکری اور عملی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئی اور جس طرح اس نے اپنے بانی مولانا مودودی کے نظریات سے خود کو علیحدہ کیا ، عرفان احمد نے اپنی اس کتاب میں اس کا تفصیلی مطالعہ پیش کیا ہے ۔یہ کتاب بنیادی طور پر ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے ۔ انھوں نے تقسیم کے بعد جماعت اسلامی ہند اور اس کی ذیلی طلبہ تنظیم سٹوڈنٹس اسلامک موومنٹ آف انڈیا Students SIMI - Islamic Movement of India(اب یہ تعلق ختم ہوچکا ہے) کو مختلف ادوار میں پیش آنے والے فکری اور عملی چیلنجوں اور ان کے جواب میں ہر دو نے جو حکمت عملیاں اپنائیں، انکا جائزہ لیا ہے۔

یہ کتاب تین حصوں اور سات ابواب پر مشتمل ہے ۔کتاب کے پہلے حصے میں مصنف نے جماعت کی تاریخ اور اس کے فکری ارتقا کی تاریخ کو موضوع بنایا ہے ۔ دوسرے حصے میں حکومت الہیہ اور اس کی راہ میںحائل سماجی اور نظریاتی مسائل کی تفصیل بیان کی گئی ہے جب کہ تیسرے اور آخری حصے میں مصنف نے ایک اپوزیشن سیاسی پارٹی کے طور پر جماعت اسلامی ہند کے مختلف ادوار کی حکومتوں، پارلیمانی اپوزیشن جماعتوں اور دیگر سیاسی جماعتوں سے بنتے بگڑتے تعلقات کو اپنی تحقیق اور بحث کا موضوع بنایا ہے۔ مصنف کی زیادہ توجہ جماعت اسلامی ہند کی بجائے SIMI(سٹوڈنٹس اسلامک موومنٹ آف انڈیا) اور اس کے نظریات پر پر مر کوز نظر آتی ہے۔ SIMI جماعت اسلامی کے برعکس زیادہ شدت سے اپنے نظریات پر گامزن رہی اور اس کی یہی نظریاتی سختی تھی جو اس کو عسکریت پسندی کی طرف لے گئی ۔ایک طلبہ تنظیم ہونے کے ناطے SIMIسے عملی سیاسی امور کے بارے میں ذمہ دارانہ اور اعتدال پسندانہ رویہ اختیار کرنے کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ عملی سیاست سے لاتعلق ہونے کی بنا پر جماعت اسلامی کے برعکس SIMI عسکریت پسندی کی راہ اختیار

کرنے کی متحمل ہوسکتی تھی جب کہ جماعت جو ایک عملی سیاسی تنظیم ہے، کے لئے ایسا کرنا کسی طور بھی ممکن نہیں تھا ۔

SIMI نے تشدد اور عسکریت پسندی کی جوراہ منتخب کی، اس کی بنا پر جماعت کے لئے اس کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھنا ممکن نہ رہا تھا- SIMIکی طرف سے عسکریت پسندی اور دہشت گردی کی مسلسل حمایت اور تائید کی بنا پر جماعت اسلامی ہند کے لئے یہ ممکن نہ رہا کہ وہ اس کے ساتھ اپنا تنظیمی تعلق قائم رکھ سکے- SIMI کی تشدد پر مبنی حکمت عملی جماعت کی تنظیمی ،مذہبی اور سیاسی سرگرمیوں کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ بن گئی اور جماعتی اکابرین اس نتیجے پر پہنچے کہ اس سے تعلق توڑے بغیر جماعت کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ سیاست اور مذہب کے میدان میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھ سکے ۔ یہی وہ سوچ تھی جس کی بنا پر جماعت نے SIMI سے لا تعلقی کا برملا اعلان کردیا ۔ خود جماعت نے بھی ابتدائی طور پر مولانا مودوی کی سیکولر ازم اور جمہوریت کی مخالفت پر مبنی نظریاتی لائن اختیار کرنے کی کوشش کی لیکن جلد ہی اس پر یہ حقیقت آشکار ہوگئی کہ بدلے ہوئے حالات میں ایسا کرنا جماعت کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کے مترادف ہوگا ۔ یا پھر وہ اگر کسی طرح اپنا وجود قائم رکھنے میں کامیاب ہو بھی گئی تو زیادہ سے زیادہ SIMI کی طرح کی ایک اور دہشت گرد تنظیم بن سکتی ہے۔لیکن جماعت کی یہ نظریاتی اور فکری کایا کلپ کوئی آسان عمل اور سیدھا راستہ نہ تھا ۔ نظریاتی تبدیلی کا یہ راستہ بہت طویل ،پر پیچ اور کٹھن تھا ۔

ہر مسلمان فخریہ یہ کہتا ہے کہ تمام مسلمان برابر اور ایک عالمی امہ کا حصہ ہیں۔ یہ بات قرآن میں بھی کہی گئی ہے کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں ۔تمام اہل ایمان (درحقیقت تمام بنی نوع انسان) کی برابری اسلام کا جزو لازم ہے۔ لیکن عملی صورت حال ان قرآنی احکامات کی نفی کرتی نظر آتی ہے ۔ عرفان احمد نے اپنی کتاب میں جماعت اسلامی ہند کے حوالے سے فکر و عمل کے اس تضاد کو انتہائی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ عرفان احمد اپنی تحقیق کے سلسلے میں علی گڑھ گئے اور وہاں انھوں نے مختلف سماجی اور معاشی پس منظر کے حامل جماعتی کارکنوں سے مذہبی سیاسی اور سماجی امور پر سیر حاصل تبادلہ خیالات کیا ۔ ان ملاقاتوں سے انہیں معلوم ہوا کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کی برابری اور مساوات تو دور کی بات ہے یہاں علی گڑھ کے جماعتی کارکن باہم برابر نہیں ہیں ۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے گرد و نواح میں رہنے والے جماعت کے کارکن خود کو علی گڑھ شہر میں رہنے والے کارکنوں کی نسبت اعلی و ارفع سمجھتے ہیں ۔اور اس برتری کے احساس کے پس پشت یہ حقیقت ہے کہ علی گڑھ شہر کے جماعتی کارکن تعلیمی اور سماجی حوالے سے یونیورسٹی ایریا میں بسنے والوں کی نسبت پسماندہ اور غریب ہیں ۔اسلامی تعلیمات کا عملی طور پر کس قدر خیال رکھا جاتا ہے اس کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے ۔

نظریاتی اور مذہبی تعلقات کی نسبت سماجی پس منظر ، ذات برادری اور آباو اجداد کے مقام و مرتبہ کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے ۔علی گڑھ شہر کے رہائشی مسلمانوں میں شرح خواندگی بہت کم (تقریبا 10فی صد) ہے جب کہ خط غربت سے نیچے زندگی گذارنے والے مسلمانوں کی تعداد 28فی صد کے قریب ہے ۔علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ارد گرد رہنے والے مسلمان نسبتاً زیادہ خوش حال اور تعلیم یافتہ ہیں ۔چنانچہ یہ قدرتی امر ہے کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے گرد و پیش میں رہنے والے مسلمان شہر کے باسی مسلمانوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں ۔سماجی اور معاشی فرق کی بنیاد پر پائی جانے والی یہ نفرت صرف عام مسلمانوں تک ہی محدود نہیں خود جماعت کے کارکنوں کے رویوں سے بھی اس کا اظہار ہوتا ہے ۔

ابتدائی طور پر جماعت سیکولر ازم سے کس قدر الرجک تھی اس کا اندازہ ایک شخص اکرم بیگ کی کہانی سے لگایا جاسکتا ہے، جسے عرفان احمد نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے ۔اکرم بیگ نے ایک سیکولر اسکول میں تعلیم حاصل کی ۔اکرم جماعت میں شامل ہوا اور مختلف تنظیمی مراحل طے کرتے ہوئے علی گڑھ شہر کی جماعت کا امیر بن گیا ۔ اکرم بیگ کا والد وکیل تھا اور

سیکولر عدالتوں میں وکالت کرتا تھا۔ جب اکرم نے جماعت کا رکن بننا چاہا تو اسے یہ کہہ کر رکن بنانے سے انکار کیا گیا کہ اس کا والد سیکولر عدالتوں میں وکالت کرتا ہے اور اس کا یہ فعل خلاف اسلام ہے ۔

جماعت اسلامی کا رکن بننے کے لئے لا محالہ اکرم کو سب سے پہلے گھر کے محاذ پر اپنے والد کے خلاف‘ جہاد ’ کرنا پڑا(یہ بات کوئی حیران کن نہیں ہے ۔ نظریاتی تفریق باپ کوبیٹے اور بھائی کو بھائی بھڑا دیتی ہے)۔ اکرم کا خیال تھا کہ سیکولر عدالتوں میں وکالت کرکے اس کا باپ گناہ کا مرتکب ہورہا ہے۔ وہ نہ صرف بت پرستی پر مبنی نظام کو مستحکم بلکہ اللہ کے خلاف بغاوت کا ارتکاب بھی کررہا ہے ۔ اس کے والد کی کمائی ہی حرام نہیں اس کمائی سے خرید ی جانے والی اشیائے خورد و نوش بھی حرام ہیں۔ اکرم کاکہنا ہے کہ اس نے اسلام کی خاطر اپنے خاندان کے خلاف علم بغاوت بلند کردیا ۔

اُن دنوں جماعت اسلامی ہند تنگ نظری اور فرقہ واریت پر مبنی ،اسی قسم کے نظریات کی داعی اور پرچارک تھی۔ لیکن ایک ایسے سماج میں جہاں نہ صرف ہندو اکثریت بلکہ مسلمانوں کی اکثریت بھی ملک میں موجود نظام کو تسلیم کرتی ہو، وہاں اس نوع کے نظریات کی ترویج و اشاعت کے لئے کوئی گنجائش موجود نہیں تھی ۔ جماعت اسلامی کے لئے ایک مشکل یہ بھی تھی کہ مسلمان عوام کی نمائندگی کی دعوے دار ایک اور مذہبی سیاسی جماعت ۔۔جمعیت علمائے ہند نے مہاتما گاندھی کی زیر قیادت چلنے والی تحریک آزادی کے زمانے ہی سے سیکولر جمہوریت کو قبول کررکھا تھا ۔ جمعیت نے مذہب کی بنیاد پر تقسیم ہند اور قیام پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ آزادی کے بعد مختلف اوقات میںہونے والے انتخابات میں جمعیت حصہ لیتی رہی تھی، جس کا واضح مطلب یہ تھا کہ وہ سیکولر جمہوریت اور سیاست کوبھارت کے مسلمانوں کے مفادات سے متصادم خیال نہیں کرتی۔ خود مسلمانوں کی اکثریت نے بھی بھارت کی بہت سی سیکولر جماعتوں کو ووٹ دے کر یہ عندیہ دیا تھا کہ سیکولر جمہوریت نہ تو اسلام کے خلاف ہے اور نہ ہی مسلمانوں کے ۔

اس ساری صورت حال میں جماعت اسلامی ہند سیاسی تنہائی کا شکار تھی۔ اس کو اپنی سیاسی و سماجی تنہائی کے خلاف لڑنے کا چیلنج درپیش تھا۔ سیاست کی طرح ابتدا میں اس نے سیکولر تعلیم کے بایئکاٹ کا نعرہ بھی دیا تھا۔ لیکن جلد ہی جماعت پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ سیکولر تعلیم کے بائیکاٹ کی یہ پالیسی قابل عمل نہیں ہے ۔ محکمہ تعلیم سے الحاق نہ ہونے کی بنا پر اس کے اپنے سکولوں سے فارغ التحصیل طلبا کو ملازمتیں نہیں ملتی تھیں۔ اور تو اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی بھی جماعت کے زیر انتظام سکولوں میں تعلیم حاصل کرنے والے نوجوانوں کو داخلہ دینے سے انکار کردیتی تھی۔ بالآ خر جماعت کو علی گڑھ شہر میں قائم اپنے سکول کو باقاعدہ سیکولر سکول میں تبدیل کرنا پڑا۔

یہی وہ صورت حال تھی جس میں جماعت کے اندرونی حلقوں میں اس بحث کا آغاز ہوا کہ مولانا مودودی کی سیکولرازم اور جمہوریت کو یکسر مسترد کرنے کی فکر سے وابستگی برقرار رکھی جائے یا پھر جماعت کا وجود برقرار رکھنے کے لئے دونوں کو اپنا لیا جائے۔ جماعت کے اکابرین کو جس دوسرے نظریاتی مسئلہ کا سامنا تھا، وہ تھا سیکولر بھارت میں حکومت الہیہ کا قیام ۔ جدید بھارت میں یہ نعرہ لگانا ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ جماعت نے یہ نعرہ ترک کرکے‘ اقامت دین کواپنے پروگرام کا حصہ بنا لیا جو کہ بھارتی آئین سے متصادم نہیں تھا ۔

جب SIMIنے جماعت سے بغاوت کرتے ہو‘ کفار کے خلاف جہاد ’ کا پرچم بلند کیا تو جماعت نے اس سے اپنے تنظیمی تعلقات منقطع کرلئے اور ا طالب علموں کی ایک نئی انجمن بنائی جس کو سٹوڈنٹس اسلامی تنظیم SIO کا نام دیا گیا۔ SIMI جہاد کی بات کرتی تھی جب کہSIOانسانوں کے مابین بھائی چارے اور محبت کا پیغام دیتی تھی۔ وہ ملک کے آئین اور قوانین کی پاسداری

اور عمل درآمد پر یقین رکھتی تھی اور بھارت کے آئین و قانون کے دائرے میں رہ کر کام کرنے کے عزم کا اظہار کرتی تھی ۔

خود جماعت نے بھی طویل مشاورت اور بحث و تمحیص کے بعد مولانا مودودی کی جمہوریت اور سیکولر ازم دشمنی پر مبنی نظریاتی لائن سے علیحدگی کا فیصلہ کیا ۔ بلاشبہ جماعت نے ایسا کرنے کے بارے میں کوئی باقاعدہ اعلان تو نہیں کیا تھا ،لیکن آہستہ آہستہ مین سٹریم سیاست میں حصہ لینے کے عمل نے یہ ثابت کیا کہ جماعت اسلامی ہند نے اپنی سابقہ سیکوازم لر مخالف لائن کو ترک کردیا ہے ۔ بالآخر سیکولر جمہوری نظام کو تسلیم کرتے ہوئے جماعت نے بڑے متحرک انداز میں بھارتی سیاست میں دل چسپی لینا شروع کر دی ۔ گو کہ جماعت کا یہ عمل کسی طور بھی کوئی آسان عمل نہ تھا ۔

کتاب کے اختتام میں عرفان احمد نے بھی اس بارے میں اشارہ کیا ہے جماعت کے منشور اور پروگرام کے مطابق سیکولر ازم اور جمہورت خلاف اسلام تھے لیکن یہ دونوں تو بھارت کے آئین کا حصہ اور جدید بھارتی ریاست کی بنیاد تھے ۔ یہ دونوں تصورات جماعت کے بنیادی مقصد اسلامی ریاست کے قیام سے متصادم تھے۔ مودودی نے جماعت کے اراکین اور ہمدردوں سے کہا تھا کہ سیکولر جمہوریت کے تحت ہونے والے انتخابات میں ہرگز ووٹ نہ ڈالیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ‘ حرام ’ اور اسلام کی‘ حقیقی روح ’ کے خلاف تھے۔ سیکولر ازم اور جمہوریت بقول ان کے طاغوتی نظام کے بنیادی ستون ہیں ۔

ان سب کے باوجود جماعت نے نظریاتی قلا بازی کھائی اور یہی اس کی نظریاتی صحت مندی کی نشانی تھی ۔ نظریات کو ساکت و جامد نہیں ہونا چاہیے بلکہ بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ان میں تبدیلی ہونی چاہیے ۔ جماعت اسلامی ہند مولانا مودودی کی جامد فکر سے وابستگی کی بنا پر بھارت میں مکمل تنہائی کا شکار ہوتی چلی جارہی تھی کیونکہ بھارت کے مسلمانوں کی اکثریت سیکولر جمہوری نظام سے اس کی نفرت کو مسترد کرتے تھے ۔ جمعیت علمائے ہند کے اکابرین قرآن اور سنت کی رو سے سے سیکولر ازم اور جمہورت کو عین اسلام ثابت کرتے تھے اور یہی وہ ماخذ تھے، جن سے استفادہ کرتے ہوئے مولانا مودودی ان دونوں کو مستردکرتے اور اسے طاغوتی نظام قرار دیتے تھے

اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن اور حدیث جیسے بنیادی ماخذ کی مختلف لوگ اپنے مخصو ص سیاسی مقا صد کے حصول کے لئے مختلف انداز میں تشریح اور تفسیر کرسکتے ہیں ۔ جمعیت علمائے ہند کے رہنما مولانا حسین احمد مدنی نے اپنی کتاب اسلام اور متحدہ قومیت میں قرآن اور حدیت کے حوالوں سے متحدہ قومیت کو اسلام ثابت کیا تھا اور دوقومی نظریہ کو مسترد کیا تھا ۔

عرفان احمد کی یہ کتاب بھارت میں اسلام کو سمجھنے کے ضمن میں اہم حوالہ ہے ۔ کتاب کی ابتدا میں انھوں جماعت اسلامی کے بانی مولانا مودودی کے سیاسی اور فکری ارتقا پر بھی روشنی ڈالی ہے ۔ مولانا پہلے پہل انڈین نیشنل کانگریس کے سیاسی موقف کے داعی تھی بعد ازاں آل انڈیا یونین مسلم لیگ کو اپنایا لیکن پھر دونوں کو مسترد کرتے ہوئے اپنی الگ سیاسی جماعت قائم کرلی ۔ انھوں نے تقسیم ہند اور قیام پاکستان کی مخالفت کی لیکن خود نقل مکانی کرکے پاکستان چلے آئے ۔ کتاب سے ہمیں یہ پتہ بھی چلتا ہے کہ جماعت کسی بھی الیکشن میں کامیابی حاصل کرنے میں کامیا ب نہیں ہوسکی ۔ اپنی نظریاتی انتہاپسندی کی بنا پر یہ مین سٹریم سیاست کا حصہ نہیں بن پائی ۔ عوام مذہبی امور کی بجائے اپنے روز مرہ کے معاملات کے بارے میں زیادہ فکر مند اور تشویش کا شکار ہیں ۔

جماعت اسلامی ہند نے انتہائی عقل مند ی سے اپنی نظریاتی سمت کو تبدیل کر لیا ہے اور اب وہ بہت سے محاذوں جن میں انسانی حقوق ، فرقہ ورانہ ہم آہنگی، مذہبی رواداری اور امن شامل ہیں، پر سر گرم عمل ہے ۔ اسلام کی حقیقی روح بھی یہی ہے کہ ایسے مذہبی مباحث سے گریز کیا

جائے جو عوام میں تفریق، نفرت اور مختلف النوع تضادات پید ا کرنے کا باعث بنتے ہوں۔ قرآن مذہبی تنوع، برداشت اور دوسروں کے حقوق کے احترام کا درس دیتا ہے۔ عوام کا فہم اسلام زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے اور مشترکہ سماجی اور معاشی جدوجہد کرنے پر یقین رکھتا ہے جب کہ ملا کا اسلام عدم برداشت، نفرت اور باہمی قتل و غا رت گری کی ترغیب دیتا ہے۔ مولانا مودودی کی فکر علیحدگی پسندی پر زور دیتی اور مذہبی تنوع کی نفی کرتی ہے۔ وہ ایک ایسی‘ اسلامی ریاست’ کے داعی ہیں جس میں غیر مسلموں کی حیثیت دوسرے درجے کے شہریوں کی ہوگی ۔

عرفان احمد مبارک باد د کے مستحق ہیں کہ انھوں نے انتہائی ایمانداری اور معروضی انداز میں سے جماعت اسلامی ہند کا مطالعہ کیا اور ان کی یہ کوشش انتہائی قابل ستائش ہے ۔**